علمی مضامین سلسلہ نمبر۲

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

''جمہوریت'' اپنے آئینہ میں

اور

اِسلامی نظامِ حکومت کا مختصر خاکہ

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴾

اِسلامی مملکت میں جملہ اِختیارات ایک ہی کو دیے جاتے ہیں اُس کو ''اِمام'' کہا جاتا ہے جو پوری مملکت کا واحد سربراہ ہوتا ہے، قرآنِ پاک کی تعلیم یہ ہے کہ وہ سربراہ اِقتدار میں سب سے اعلیٰ ہو تو تقویٰ، پرہیزگاری اور خدا ترسی میں بھی اِس کو سب سے بلند ہونا چاہیے ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾

علماء نے اِمام کے لیے چند شرطیں اِسی لیے قرار دی ہیں کہ حتی الامکان قرآنِ پاک کی تعلیم کو جامۂ عمل پہنایا جا سکے مثلاً عاقل، بالغ، تندرست، صحیح الحواس، صاحبِ ہمت، صاحبِ حوصلہ، صاحب الرائے، سیاسی اُمور کا واقف و ماہر، جنگ و صلح کے نشیب و فراز سے باخبر، خلقِ خدا کا ہمدرد،

عوام کا خیر خواہ، مختلف طبقات کے مزاجوں سے واقف ہونے کے علاوہ اہم شرط یہ ہے کہ اُس میں عدل ہو یعنی پابندِ شرع ہو، اِسلامی اَخلاق کا حامل ہو، کبائر کا مرتکب نہ ہوتا ہو، بتقاضائے بشریت گناہ ہو جائیں تو فوراً توبہ کرلے، کسی گناہِ صغیرہ کا بھی عادی نہ ہو، عالم ہو اور اِسلامی علوم میں بصیرت رکھتا ہو۔ (اِزالۃ الخفاء، حجۃ اللہ البالغہ وشرح عقائد نسفی وغیرہ)

وزیرِ اعظم کی جو حیثیت ہندوستان جیسے آج کے جمہوی ممالک میں ہے کہ پارلیمنٹ یا اسمبلی میں جس سیاسی پارٹی کو اَکثریت حاصل ہو اُس کا لیڈر وزیرِ اعظم یا چیف منسٹر ہو، اِسلامی تعلیمات میں اِس طرز کی اگر ممانعت نہیں کی گئی تو اِس کی ہدایت بھی نہیں کی گئی

جمہوریت پر ایک نظر :

کوئی بھی موسم ہو اُس میں اُس موسم کے خاص پھل کی بہار ہوتی ہے، زبانوں پر اُس کا تذکرہ ہوتا ہے، دِلوں میں اُس کی رغبت اور خواہش، بازار اور منڈیوں میں اُس کی کثرت ہوتی ہے۔ تجربہ نے چہرۂ جمہوریت کے خوشنما اور دلکش غازہ [1] کو بڑی حد تک کُھرچ دیا ہے مگر تقریباً چالیس سال پہلے کا دور وہ تھا جس میں یورپ کی اِستعمار پسند حکومتیں دُنیا پر چھائی ہوئی تھیں وہ دور تصورِ جمہوریت کا موسمِ بہار تھا، شکنجۂ اِستعمار میں کسی ہوئی قوموں کے مضطرب جذبات تصورِ جمہوریت کا اِستقبال کررہے تھے اور یہ تصور اہلِ دانش، اہلِ نظر اور اَصحابِ فکر کی عقل و دانش پر یہاں تک چھایا ہوا تھا کہ وہ کھینچ تان کر اِسلام کو بھی اپنی ہی صف میں کھڑا کرنا چاہتے تھے کہ جمہوریت کے جس تخیل کو وہ متاعِ بے بہاء سمجھ رہے ہیں اِسلام بھی اُس کی تعلیم دیتا ہے اور بازارِ سیاست میں اُس کا خریدار ہے۔

کوئی بھی مذہب جمہوریت کو پسند نہیں کرتا :

لیکن اگر ہم جذبات سے بالا ہو کر حقیقت کو سامنے رکھیں تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مذہب جمہوریت کی موافقت نہیں کرسکتا جس طرح جمہوریت اگر صحیح معنی میں جمہوریت ہے تو وہ مذہب کے

---

[1] ظاہری خوشنمائی

تابع نہیں ہوسکتی کیونکہ ہم جمہوریت کے ثنا خواں ومدّاح اِس لیے ہوتے ہیں کہ اِس میں عوام کو آزادی میسر آتی ہے، رائے کی آزادی، فکر کی آزادی، تحریر کی آزادی، تقریر کی آزادی، مطلق العنان حریت یعنی بے لگام آزادی حالانکہ کوئی بھی مذہب اِس مطلق العنان بے لگام اور منہ چُھوٹ آزادی کی اِجازت نہیں دے سکتا۔ ہر ایک مذہب اَخلاق کا طوقِ زریں اِنسان کے گلے میں ڈالتا ہے اُس کا اصل اُصول ہوتا ہے پابندی، فرمانبرداری، ضبط وکنٹرول، اِیثار وقربانی اِس کے برعکس مطلق العنان آزادی جو جمہوریت کا طرۂ اِمتیاز مانی جاتی ہے رفتہ رفتہ آوارگی کی شکل اِختیار کرلیتی ہے۔

آپ تحقیق فرمائیں تو مہذب ترین جمہوری ممالک کاروباری ضابطوں اور قاعدوں میں خواہ کتنے ہی با اُصول ہوں مگر اَخلاق، کردار، رُوحانیت، خوفِ خدا اور خدا پرستی کے لحاظ سے وہ آوارہ اور شورہ پُشت [1] ہیں۔

بے شک جمہوریت کا یہ رُخ قابلِ قدر ہے کہ اُصولاً ایک فرقہ کو دُوسرے پر مسلط نہیں کرتی اگرچہ عملاً اِس سے نجات بھی نہیں مِل سکتی کیونکہ اکثریت اگر کسی ایک فرقے سے تعلق رکھتی ہے تو وہ لامحالہ اپنی چھاپ جمہوریت پر ڈال دیتی ہے یہاں تک کہ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کے ہم رنگ ہونا۔

فریب نظر اور طلسم :

جمہوریت اور ڈیموکریسی کے ثنا خواں جمہوریت کی خوبی یہ بیان کرتے ہیں کہ جمہوریت میں اِقتدارِ اَعلیٰ جمہور کو حاصل ہوتا ہے، حکومت جمہور کی ہوتی ہے، اَصل اِختیارات جمہور کو حاصل ہوتے ہیں وہ اپنے لیے اپنی مرضی کے مطابق دستورِ اَساسی (Constitution) اور قانون تجویز کرسکتے ہیں لیکن حقیقت پسندانہ نظر ڈالی جائے تو یہ تمام الفاظ طلسم اور جادُو کے منتر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے جو دماغوں کو مسحور ضرور کرلیتے ہیں مگر حقیقت اور واقعیت سے آشنا نہیں ہوتے۔ جمہور کے پاس ووٹ کی طاقت ضرور ہوتی ہے مگر کیا اِس حقیقت سے اِنکار ہوسکتا ہے کہ جس طرح گری نکال دینے کے بعد بادام

[1] سرکش، نافرمان، جھگڑالو

کا چھلکا، کوڑا کرکٹ یا اِیندھن بن جاتا ہے، ووٹ دینے والے بھی ووٹ دینے کے بعد بے مغز پوست بلکہ گردِ پا بن جاتے ہیں۔

کہا جاسکتا ہے کہ مغز ہی اَصل ہے بادام کی گری ہی بادام کا حاصل ہے، اگر گری کام آرہی ہے تو بادام بیکار نہیں گیا اور ضائع نہیں ہوا۔ عوام کے نمائندے اگر قانون بنا رہے ہیں تو وہ قانون عوام ہی کا بنا ہوا قانون ہے اگر وہ نمائندے حکومت کر رہے ہیں تو وہ عوام ہی کی حکومت ہے۔

مگر کیا واقعی یہی ہوتا ہے کہ قانون عوام کے نمائندے بناتے ہیں اور عوام کے نمائندے ہی حکومت کرتے ہیں ؟ کون نہیں جانتا کہ ۸۰/ فیصد نمائندے وہ ہوتے ہیں جو قانون بنانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، سینکڑوں ممبروں کے ایوان میں چند اَفراد کی کمیٹی بنادی جاتی ہے جو قانون کا مسودہ تیار کرتی ہے، اصل واضعِ قانون [1] یہ کمیٹی ہوتی ہے دس پندرہ فیصد وہ ہوتے ہیں جو قانون کو سمجھتے ہیں باقی تعداد جو سینکڑوں کی ہیبت اَنگیز اور مرعوب کن تعداد ہوتی ہے اِس دس فیصد کی تقلید کرنے والی ہوتی ہے مثلاً جمہوریہ ہند کا دستورِ اَساسی جن پر مفکرینِ ہند کو ناز ہے اور جس کا وہ ساری دُنیا میں ڈھنڈورا پیٹتے ہیں بیشک وہ مجلسِ دستور ساز کا منظور کردہ ہے جس کے اَرکان کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی جس میں اَقلیتوں کو بھی مناسب نمائندگی دی گئی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اُس کا مسودہ ایک کمیٹی نے تیار کیا اور کمیٹی کے اَرکان نے بھی سہولت کار کے لیے تدوین اور ترتیب کا کام ایک قابل شخص (ڈاکٹر امبید کر) کے سپرد کر دیا تھا، مسودہ تیار کرنے میں کمیٹی کے اَرکان بھی وقتاً فوقتاً اِن کی مدد کر دیتے تھے، بیشک وہ مسودہ اَرکان کے سامنے پیش کیا گیا۔

اِسمبلی کے اِجلاس میں اُس کی ایک ایک دفعہ پڑھی گئی اُس میں ترمیمات بھی ہوئیں لیکن یہ سب نقش و نگار کی تبدیلیاں تھیں بنیادی ستون وہی رہے جن کی بنیاد ڈاکٹر امبید کر نے ڈالی تھی اور اگر ہم اِس نمائش ہی کو حقیقت گردان لیں اور تسلیم کرلیں کہ دستورِ اَساسی دستور ساز اِسمبلی ہی کے اَرکان نے مرتکب کیا تھا اور ہر ایک رُکن وضع قانون اور ترتیت دستورِ اَساسی کی پوری صلاحیت رکھتا تھا اور اُس

---

[1] قانون ساز

نے تدوین وترتیب میں پوری توجہ اور دماغ سوزی سے کام لیا، تب بھی ظاہر ہے کہ اُس دستورِ اَساسی اور اُس کی دفعات کی منظوری اکثریت کی رائے پر موقوف تھی اور ایوان میں اگر ایک پارٹی مثلاً کانگریس کی اکثریت تھی تو یہ دستورِ اَساسی ایک پارٹی کا دستور ہوا اور جمہوریت کا مصداق صرف یہی اکثریت تھی پھر یہ ہوسکتا ہے کہ اُس پارٹی کے ووٹوں کی مجموعی تعداد مخالفین کی تعداد سے کم ہو مثلاً جمہور کے تیس فیصدی ووٹ کانگریس کو ملے اور ستر فیصدی دُوسری پانچ چھ پارٹیوں میں تقسیم ہوگئے تو بیشک ایوان میں اکثریت کانگریس کو حاصل ہوگئی مگر ظاہر ہے کہ مصنوعی اکثریت تیس فیصدی کی نمائندگی کرتی ہے اور اب جمہور کا اِطلاق صرف تیس فیصدی پر ہو رہا ہے۔

یہ دستورِ اَساسی کے وضع وترتیب کی صورت تھی جس کو تمام قوانین میں بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جملہ قوانین اِس ڈھانچہ کا گوشت پوست ہوتے ہیں جو دستور ساز اِسمبلی دستورِ اَساسی کی صورت میں تیار کرتی ہے۔ دستورِ اَساسی کے علاوہ عام قانون جو اِجلاسوں میں پیش ہوکر منظور ہوتے رہتے ہیں اور جمہوریت کے نام پر اُنہیں جمہور کے سر تھوپا جاتا ہے اُن کے واضعین درحقیقت وہ چند اَفراد ہوتے ہیں جو کابینہ (CABENET) کے رُکن ہوتے ہیں۔ کیبنٹ کا پیش کردہ مسودہ قانون پارٹی کو لامحالہ منظور کرنا پڑتا ہے کیونکہ اِس کو مسترد کرنے کے معنی ہوتے ہیں گورنمنٹ پر بے اِعتمادی ظاہر کرنا۔

مختصر یہ کہ عوامی حکومت اور جمہور کے اِقتدارِ اَعلیٰ کے نعرے صرف نمائشی ہوتے ہیں اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اِقتدارِ اَعلیٰ چند اَفراد کے چھوٹے سے حلقے میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔

اِسلام کون سی جمہوریت کا حامی ہے :

بے شک اِسلام جمہوریت کا حامی ہے بلکہ بانی ہے مگر اِس کے معنی یہ ہیں :

(۱) تمام اِنسان درجۂ اِنسانیت میں مساوی ہیں، وہ کالے ہوں یا گورے، عرب ہوں یا عجم، مشرقی ہوں یا مغربی، سب ایک ماں باپ کی اَولاد ہیں۔

(۲) ایک اِنسان کا درجہ دُوسرے اِنسان سے اگر بلند ہے تو وہ رنگ و نسل، دولت و ثروت یا کسی جغرافیائی بنیاد پر نہیں بلکہ درجہ اگر بلند ہوسکتا ہے تو صلاحیت اور قابلیت کی بنیاد پر اور اللہ تعالیٰ کے یہاں درجہ کی بلندی تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

(۳) ''بادشاہت'' اِقتدارِ اَعلیٰ کو نسل اور خاندان کے تابع کرتی ہے کہ باپ بادشاہ تھا تو بیٹا بھی بادشاہ ہوگا۔ اِسلام اِس سے نفرت کرتا ہے، مَلک الاملاک اور شہنشاہ جو دُنیا میں سب سے زیادہ عظمت کا لفظ ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہے۔ (بخاری شریف ص ۹۱۶) وہ اِقتدارِ اَعلیٰ کو صلاحیت اور قابلیت کے تابع کرتا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۴)

(۴) ہر شخص ذمہ دار ہے، وہ اپنی ذمہ داری کے بارے میں جواب دہ ہے، غریب ہو یا اَمیر، حاکم ہو یا محکوم۔

(۵) اِمام (سربراہِ مملکت) مملکت کا سب سے بڑا ذمہ دار ہے مگر وہ مشورہ کا پابند ہے اور مسلمانوں کے تمام معاملات مشورہ سے طے پاتے ہیں۔

وضع قانون :

اگر کسی ایک شخص کو یہ حیثیت نہیں دی جاسکتی کہ وہ خلقِ خدا کا مالک ہو اور جو کچھ وہ کہہ دے قانون بن جائے اگر اِس کو اِستبداد اور جبر و قہر کہا جاتا ہے تو چند اَفراد کو بھی یہ حیثیت نہ ملنی چاہیے کہ وہ قانون ساز بن کر خلقِ خدا کی جانوں اور اُن کی ملکیتوں میں تصرف کریں۔ واضع قانون خود تصرف نہیں کرتا، کسی کو پھانسی، کسی کی جان بخشی، کسی کے قید و بند، کسی کے مال ضبط کر لینے اور کسی پر جرمانہ کر دینے کے عمل وہ خود نہیں کرتا، مگر جب اِن اُمور کے ضابطے اور قاعدے مقرر کر کے تصرف کرنے والے کے تصرف کو جائز قرار دیتا ہے تو یہ خود ایسا عمل ہے جس کا دائرہ اَثر اُس کے اپنے تصرف سے بھی زیادہ وسیع ہے کسی کا گلہ گھونٹ کر مار ڈالنا ظالمانہ تصرف ہے مگر اُس کا مظلوم یعنی اُس سے متاثر ہونے والا صرف ایک شخص ہے مگر ایسا ضابطہ بنا دینا کہ فلاں عمل کرنے والے کو گولی ماردی جائے اور فلاں عمل کرنے

والے کی جائیداد ضبط کر لی جائے ایسا تصرف ہے جس کا تختہ مشق ایک دو نہیں بلکہ لاتعداد اور بے شمار اِنسان ہوتے ہیں، کون نہیں جانتا کہ کسی آرڈیننس کا جاری کر دینا ایسا تصرف ہے جو پورے ملک کے تمام باشندوں کو متاثر کرتا ہے۔

قانون وضع کرنے کا اِختیار کس کو ہے :

اِسلام جس طرح ملوکیت اور شہنشاہیت کو اِنسانی بھائی چارے اور اِنسانی مساوات کے خلاف سمجھتا ہے وہ اَفرادِ اِنسان کی کسی جماعت یا کسی کمیٹی کو بھی وضع دستورِ اَساسی کا اِختیار دینا مساواتِ اِنسانی کے خلاف سمجھتا ہے، اُن کا علم محدود، مستقبل کی اُن کو خبر نہیں، حال پر بھی اُن کو پورا اِختیار نہیں، وہ اِنسانی طبقات کے مختلف جذبات سے ناواقف، فطری رُجحانات جو ایک ہی نوع کے مختلف حلقوں میں ہوتے ہیں اُن سے بھی وہ پوری طرح باخبر نہیں، وہ اپنے جیسے اِنسانوں کے لیے قانون بنائیں اور اُن کی گردنیں دستوری دفعات کے شکنجے میں کسیں، مساواتِ اِنسانی کا نازک نظریہ اِس کو برداشت نہیں کرتا اِسی لیے وہ وضع قانون کا اِختیار صرف اُس کو دیتا ہے جو حقیقی مالک ہے اور چونکہ وہ خالق ہے لہٰذا وہ اِن تمام جذبات و رُجحانات سے واقف ہے جو اِنسانوں کے مختلف طبقات اور نوعِ اِنسانی کی مختلف صنفوں میں ہوتے ہیں اور چونکہ وہ خالق و مالک ہے اُس کو حق ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے اور جو چاہے اُن کے لیے دستور بنائے۔ اِنسان کا اِنسان کے لیے قانون بنانا سراسر بے محل اور ایک طرح کا جبر و قہر ہے اِس لیے قرآنِ حکیم اُن سب کو ظالم و فاسق یا کافر قرار دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مرتب کردہ دستورِ اَساسی کے خلاف کوئی دستور بنائیں یا ایسے دستور کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ خداوندی کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کر دیں۔ (سورۂ مائدہ آیت ۴۴ تا ۴۷) اِس نظریہ اور فکر کے بموجب جب اِنسان کو قانون سازی کا حق نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اُس کے دائرۂ اِقتدار میں نہ دستور ساز اِسمبلی ہوگی نہ آئین ساز کونسل، نہ اُن کے اِنتخابات ہوں گے اور نہ وہ بے پناہ مصارف ہوں گے جو پارلیمنٹ، کونسل اُن کے عہدیداروں، وزراء اور منسٹروں پر ہوتے ہیں یا اُن کے اِنتخابات کے سلسلہ میں برداشت کیے جاتے ہیں۔

دستورِ اَساسی :

اِسلامی نقطۂ نظر سے قرآنِ حکیم دستورِ اِساسی ہے جس کی تشریح آنحضرت ﷺ کے اِرشادات پھر حضراتِ خلفائے راشدین کے طریقہ ہائے کار اور جماعتِ صحابہؓ کے طرزِ عمل نے کی، اِسی کا نام " اَلشَّرِیْعَۃُ " " اَلدِّیْنُ " اور " اَلسُّنَّۃُ " ہے۔ اِسی دستورِ اَساسی کی موجودگی میں کوئی اور دستور وضع نہیں کیا جائے گا اَلبتہ پیش آنے والے معاملات کے مطابق اِسی دستور کے اُصولِ مسلمہ سے ضابطے اور قاعدے اَخذ کیے جائیں گے اور اُن کی روشنی میں معاملات کے فیصلے ہوں گے۔

مجلسِ آئین ساز کے بجائے عدالتِ عالیہ :

اپنی جان، اپنا مال، غیر کی جان اور اُس کا مال، رشتہ دار، پڑوسی، شہری، ملکی غیر ملکی، غیر مسلم وغیرہ کے حقوق، فرائض و جرائم کی حیثیت، اُن کی سزائیں، جنگ و صلح کے بنیادی ضابطے، خرید وفروخت، ہبہ، عاریت، اِجارہ، تحفظِ نسل، اَزدواجی تعلقات وغیرہ کے ضابطے اور اُصول قرآنِ حکیم اور سنتِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام) نے مقرر کر کے نوعِ اِنسان کو وضع دستور اور قانون سازی کی اُلجھنوں سے آسودہ اور اُس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا ہے، صرف وہ کام باقی ہے جو کسی قانون کے پیشِ نظر عدالت کو کرنا پڑتا ہے۔ پیش آنے والے معاملات میں ہماری عدالتیں، پارلیمنٹ یا اِسمبلی وضع کردہ دستور یا قانون کو تلاش کرتی ہیں، اُس کا منشاء سمجھتی ہیں اور اُس کی رہنمائی میں فیصلہ کرتی ہیں، اِسلامی عدالتیں قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلہ کریں گی۔ اَراضی کی ملکیت، ملکیت کی نوعیت، واجبات یعنی پیداوار کے سلسلے میں سرکاری مطالبات، اُفتادہ اَراضی، کانوں اور چشموں کی حیثیت، پہاڑ، دریا، اُن کی قدرتی پیداوار وغیرہ کے متعلق سوالات پیدا ہوئے۔ اِمام اَبو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی روشنی میں ایک مجموعہ قانون مرتب کر دیا جو "کتاب الخراج" کے نام سے مشہور ہے، خلافتِ عباسیہ کے دور میں اِسی نے آئین کی حیثیت اِختیار کر لی، پیش آنے والے سوالات کے متعلق مجلسِ قانون ساز کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ اُسی آئین کے مضمرات سے جوابات اَخذ کیے گئے اور اُن ہی کو

بائی لاز (By Laws) اور ضمنی قوانین کی حیثیت دی گئی۔

اِسلامی نظامِ حکومت کا مقصد :

دستور اَساسی (کتاب اللہ وسنت رسول اللہ) اور عدالتِ عالیہ کے بعد معاملہ صرف نفاذ کا رہ جاتا ہے جس کے لیے اِنتظامی عملہ کی ضرورت ہے مقنّنہ [1] کی نہیں، اِسلامی حکومت کا پورا نظام اِس لیے ہوتا ہے کہ قانونِ اِسلامی کو نافذ کرے اور جو حکومت اِس مقصد کے لیے ہو وہی اِسلامی حکومت ہے۔

تشکیلِ حکومت اور سربراہِ مملکت :

قرآنِ حکیم یا اَحادیثِ مقدسہ نے تشکیلِ حکومت کے لیے کوئی خاص ضابطہ مقرر نہیں کیا ہے صرف ایک بنیادی تعلیم دی ہے کہ سربراہ کا تقرر نسل اور خاندان کی بناء پر نہ ہو، اہلیت اور صلاحیت کی بناء پر ہو، یہ سربراہ کس طرح بنایا جائے کتاب وسنت نے اِس کو بھی موضوعِ بحث نہیں بنایا اَلبتہ سربراہ کے اَوصاف بیان کر دیے ہیں اور اُس کے فرائض مقرر کر دیے ہیں۔ اَب

(۱) اِسلامی مملکت کا سربراہ عوام کی آراء سے بھی منتخب کیا جاسکتا ہے، شرط یہ ہے کہ مدارِ اِنتخاب وہ اَوصاف ہوں جو اِسلامی مملکت کے سربراہ میں ہونے چاہئیں جو آغازِ مضمون میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سربراہ جو اِن اَوصاف کا حامل ہو اِنتخاب کے قصہ میں نہ پڑے اور خود اپنی جانب سے اپنا کوئی ایسا قائم مقام نامزد کر دے جو اِن اَوصاف کا حامل ہو اور عوام میں متعارف ہو۔

(۳) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سربراہ جو اَوصافِ سربراہی کا صحیح طور پر حامل ہو اپنی جانب سے کچھ اہل الرائے حضرات کو نامزد کر دے کہ وہ آئندہ کے لیے کوئی سربراہ نامزد کر دیں جو اَوصافِ سربراہی سے متصف ہو۔

---

[1] قانون ساز اِدارہ یا اَفراد

''ڈکٹیٹر'' کی حیثیت ؟ :

اِسلام جبر وقہر کی اِجازت نہیں دیتا لیکن اگر کوئی اپنی طاقت کے بل بوتے پر سربراہ بن جائے تو مسلمان اُس کی قیادت تسلیم کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ فرائض کی اَدائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور ایسے اَوصاف کا حامل ہو جو فرائض اَدا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

نبی کا دیا ہوا نعرہ :

آج دُنیا میں رُوس اور اَمریکہ کے درمیان سرد جنگ جاری ہے، ہر ایک بلاک دُوسرے کو مرعوب کر رہا ہے، یہ میدان مسلمانوں سے خالی ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں مسلمانوں اور اُن کی تمام مملکتوں کا شمار پسماندہ اَقوام میں ہوتا ہے، حاشا وکلا قرآنِ حکیم مسلمانوں کے لیے یہ ذلّت گوارا نہیں کرتا، قرآنِ پاک کی تلقین یہ ہے کہ ﴿كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو یہ نعرہ دیا تھا : اَلْاِسْلَامُ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ

اِسلام بلند ہو کر رہتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ دُوسروں کو اِسلام پر بلندی حاصل ہو

سائنسی اور ترقیاتی اُمور کے لیے سرمایہ کی فراہمی :

سائنسی تحقیقات اور ترقی کا کام دُوسروں نے لے لیا، اِسی راستہ سے وہ دُنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور تمام دُنیا کو مرعوب کر رہے ہیں۔ قرآنِ حکیم کی تعلیم اور آنحضرت ﷺ کے اِرشاد کے بموجب اِسلامی حکومت کو ایسا بیدار مغز ہونا چاہیے کہ اِس میدان میں بھی اُس کا قدسب سے آگے رہے، وہ کسی کے دستِ نگر نہ رہیں، دُوسروں کو اُن کا دستِ نگر رہنا چاہیے، وہ اللہ کے سوا کسی دُوسرے سے خائف نہ ہوں، دُوسروں پر اُن کی دَھاک رہنی چاہیے۔ (سورۂ توبہ آیت ۳۳) اِس ترقی اور برتری کے لیے بہت زیادہ دولت کی ضرورت ہے، زکوٰۃ وصدقات اور عشر جو خوشحال مسلمانوں پر فرض ہوتے ہیں وہ ضرورت مند عیال دار، فقراء ومساکین کا حصہ ہے، اُن کی رقومات اِن مدات پر ہی خرچ کی جائیں گی، ترقی اور اِستحکامِ قوت کے مدات پر خرچ نہیں ہوسکتیں۔

خراج، جزیہ اور اِسلامی تعلیم کے بموجب عشور یعنی درآمد و برآمد مال کے ٹیکس اور اِس طرح کے معینہ مدات کی آمدنی اگر اِن ضرورتوں کے لیے ناکافی ہو (جو ترقی پذیر تعلیم و تربیت اور ریسرچ وتحقیقات اور سامانِ جنگ کی فراہمی وغیرہ کے سلسلے میں رُونما ہوں) تو مجلس شوریٰ یہاں اپنا فرض اَنجام دے گی یعنی ماہرین کی اِمداد سے ذرائع آمدنی میں اِضافہ کرے گی۔

کارخانے اور فیکٹریاں :

یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ لوگ اپنی محنت اور اپنی گاڑھی کمائی سے کارخانے اور مِل قائم کریں اور حکومت اُن کو نیشنلائز کر کے اپنے قبضہ میں لے لے، حکومت کو غاصب نہ ہونا چاہیے بلکہ حکومت کو ایسا فرض شناس ہونا چاہیے کہ وہ پہلے ہی اپنی طرف سے بڑے بڑے کارخانے قائم کر کے اپنی آمدنی میں اِضافہ کرلے۔ ترقیاتی پلان اور منصوبے آج بھی پارلیمنٹ اسمبلی یا مجلسِ وزراء نہیں بناتی، بنانے والے اور ہوتے ہیں پارلیمنٹ اُن کی منظوری دیتی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ شوریٰ کے اَرکان وہ ماہر ہوں جو اِس طرح کے منصوبے بناسکیں آخر ایسے ہی ماہرین کو شوریٰ کا (پارلیمنٹ کا) ممبر کیوں نہیں بنایا جاتا، کیا وہ عوام کی ضرورتوں اور رُجحانات سے بےخبر ہوتے ہیں ؟ وہ عوام کی نمائندگی کیوں نہیں کرسکتے ؟

خسارہ پورا کرنے والا آمدنی کا ایک مَد :

قرآنِ حکیم نے ایک مستقل مد قرار دے دیا ہے ''اِنفاق فی سبیل اللہ'' (راہِ خدا میں خرچ کرنا) چنانچہ سورۂ اَنفال کی مذکورہ بالا آیت کا آخری حصہ یہ ہے۔

''اللہ کے راستہ میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا اَدا کیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (سورۂ اَنفال آیت ۶۰)

سورۂ محمد کی آخری آیت کا مفہوم یہ ہے :

''تم کو دعوت دی جارہی ہے کہ تم راہِ خدا میں خرچ کرو، تم میں سے کچھ وہ ہیں جو اِس دعوت کے جواب میں بخل سے کام لیتے ہیں (خرچ نہیں کرتے) دیکھو یہ اگر

بخل کرتے ہیں تو اپنے (مفاد) سے بخل کر رہے ہیں، اللہ کو ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے۔ (اعلیٰ تعلیم، ترقی پذیر تربیت، سائنسی اِیجادات و ترقیات یہ تمہاری ضرورتیں ہیں) تم ہی ضرورت مند ہو (خود تمہاری باعزت بقاء کے لیے اِن کی ضرورت ہے) اگر تم منہ موڑتے ہو تو تم ختم ہو جاؤ گے اللہ تمہارے بدلہ میں کسی دُوسری قوم کو کھڑا کرے گا جو تم جیسی تن آسان، فرض شناس اور مفاد پرست نہیں ہوگی۔''

سورۂ بقرہ میں جنگ و قتال کے متعلق ہدایات دینے کے بعد اِرشاد ہے :

''خرچ کرو اللہ کے راستہ میں اور نہ ڈلوا اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں بربادی اور ہلاکت میں۔'' (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۵)

قرآنِ حکیم میں اِس ''اِنفاق فی سبیل اللہ'' کو ''قرضِ حسن'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ گویا قومی یا ملی فرض ہوتا ہے۔

خسارہ بڑھانے والا آمدنی کا ایک مَد :

ہماری حکومتیں بھی قومی یا جنگی قرض لیتی ہیں جن کا سود بھی اَدا کرتی ہیں مگر اِس سود کے نتیجہ میں اِس قومی اور جنگی قرضوں کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ دولت مند جو قرض دینے والے ہیں اُن کی دولت بڑھ جاتی ہے اور اُس تمام قرض کا بار ملک کے تمام غریب ٹیکس دینے والوں پر پڑتا ہے۔ دولتمند یہ قرض دے کر بظاہر قوم کی خدمت کر رہا ہے لیکن فی الحقیقت قوم کا خون چوس رہا ہے اور اپنی اَمیری بڑھا رہا ہے۔

وہ قرض جس کا بار عوام پر نہ پڑے :

قرآنِ حکیم جس قرض کا مطالبہ کرتا ہے اُس کا کوئی بار غریب اور محنت کش طبقہ پر نہیں پڑتا، صرف دولتمند پر اِس کا بار پڑتا ہے، اُسی کی گرہ میں سے اُس کی خالص پونجی خرچ ہوتی ہے اگرچہ یہ وعدہ بھی ہے کہ ''تم کو پورا پورا اَدا کیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں ہوگا۔'' (سورہ اَنفال آیت ۶۰)

اِس پورا پورا اَدا کرنے کی شکل یہ ہے کہ ترقیات کے مفادات سے یہ دولتمند بھی بہرہ اَندوز

ہوں گے چنانچہ جن صحابہ کرامؓ نے اِرشادِ خداوندی کی تعمیل کرنے کے لیے خرچ کیا تھا اُن میں سے بہت سے وہ بھی تھے کہ ثوابِ آخرت کے علاوہ دُنیا میں بھی اُن کو پورا پورا بلکہ پورے سے بھی بہت زیادہ اَدا کردیا گیا۔

اِسلامی قرض کا مادّی اور رُوحانی فائدہ :

حضرت زُبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی حالت اِبتداءِ زمانہ میں یہ تھی کہ اِن کی اہلیہ محترمہ حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا اُونٹ کے چارے اور چولہے کے سوختے [1] کے لیے گٹھلیوں وغیرہ کا باربُردو تین میل فاصلہ سے خود اپنے سر پر رکھ کر لایا کرتی تھیں مگر تیس سال بعد جب وہ شہید ہوگئے تو اِن کا ترکہ پانچ کروڑ سے زیادہ کا تھا جو قطعاً جائز اور پاک آمدنی سے حاصل ہوا تھا جبکہ تمام غزوات میں پیش پیش رہے تھے اور کروڑوں درہم راہِ خدا میں خرچ کیے تھے۔ (بخاری شریف ص ۴۴۱، ۴۴۲)

اور پورا پورا اَدا کرنے کی دُوسری شکل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن کے مدارج اِتنے بڑھائے جائیں کہ اَندازہ لگانا مشکل ہو اور اُس زمرہ میں ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے اَنبیاء علیہم السلام کی طرح مُنْعَمْ عَلَیْھِمْ فرمایا ہے اور اُن کو اَبدی حیات کی بشارت دی ہے۔

بہرحال اِس قرض کی اَدائیگی باشندگانِ ملک کی جیب سے نہیں ہوگی، اَرکانِ شوریٰ کا فرض ہوگا کہ اِسلامی مملکت کی ترقی پذیر ضرورتوں کا جائزہ لیں اُن کا بجٹ بنائیں بجٹ کو پورا کرنے کے لیے قرضِ حسن حاصل کریں۔

دولتمندوں کا فرض ہوگا جو اُن کے ذمے کیا جائے وہ اِس کو خوش دلی سے اَدا کریں، یہ اُن کے لیے ذخیرۂ آخرت ہوگا، زکوۃ کی طرح اُس کی اَدائیگی بھی فرض ہوگی اور زکوۃ کی طرح اُس کا ثواب بھی پیش اَز پیش ہوگا جس کی تائید بے شمار آیات اور اَحادیث سے ہوتی ہے۔

---

[1] اِیندھن

قرض کی شرح :

اِس قرض للہ اور فی سبیل اللہ کی شرح کیا ہوگی ؟ اگر اِمام اَز خود کسی آرڈیننس سے طے کر دیتا ہے تو ایک طرح کا جبر ہوگا لیکن اگر اَرکانِ شوریٰ جو با اَثر اور بارُسوخ بھی ہوں وہ طے کرتے ہیں تو سب کے لیے قابلِ برداشت ہوگا۔

اِسی طرح ترقی پذیر اَعلیٰ تعلیم اور تربیت کی ضرورتیں ہیں، اِن کے مصارف بھی ایسی ہی آمدنی یا قرض للہ سے پورے کیے جائیں گے، شوریٰ کا فرض ہوگا کہ اِن تمام ضرورتوں کا جائزہ لے کر بجٹ بنائے، ممکن ہے اُس کو قانون سازی کہہ دیا جائے مگر ہمارے خیال میں یہ ''قانون'' اور ''لا'' نہیں بلکہ یہ حکمِ خداوندی کے نافذ کرنے کی صورتیں ہیں۔

زکوۃ کی رقم اِن مدات میں خرچ نہیں کی جائے گی، اَلبتہ زکوۃ سے دولت کا اَندازہ ہوسکتا ہے جس نے ایک ہزار روپے زکوۃ میں دیا ہے اُس کا کل اَثاثہ چالیس ہزار ہوگا، بہرحال اِس قسم کے کام ہوں گے جن کو اَرکانِ شوریٰ زیرِ قیادت اِمام اَنجام دیں گے (یہ ہے اِسلامی نظامِ حکومت کا مختصر خاکہ)

اِس تاریخی حقیقت پر سلسلۂ کلام کو ختم کیا جاتا ہے، خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ جو کہ رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیے گئے تھے سب سے پہلے آپ ہی نے دفاع کے لیے خندق کی تجویز منظور فرمائی، عرب اِس سے قطعًا نا آشنا تھے جب حملہ آوروں نے جن میں تقریبًا پورے عرب کے قبائل تھے، دفاع کا یہ نیا طریقہ دیکھا تو حیران رہ گئے اگرچہ فتح نصرتِ خداوندی سے ہوئی مگر یہ خندق دُشمن کی ناکامی کا پیش خیمہ بن گئی پھر آنحضرت ﷺ ہی نے سب سے پہلے منجنیق اور دبّابہ [1] کو اِستعمال کرایا، جب آپ ﷺ قلعہ طائف پر حملہ کر رہے تھے، یہ اُس زمانہ کے ترقی یافتہ آلاتِ حرب تھے جن کو تاریخ اِسلام میں سب سے پہلے رحمۃ للعالمین نے اِستعمال فرمایا، کیونکہ مقصدِ رحمت اُس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک ظلم کی طاقتیں پامال نہ ہوں۔

---

[1] توپ

عالمی سیاست اور مسلمان :

واقعہ یہ ہے کہ تمام عالَم پر چَتر رحمت [1] اُسی وقت سایہ فگن ہوسکتا ہے جب بین الاقوامی سیاست میں بالادستی اور شانِ قیادت حاصل ہو، ہم سود کو بدترین ظلم سمجھتے ہیں مگر ہم تمام اِحتیاطوں کے باوجود سود لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی ہیں کیونکہ جس اِقتصادی نظام میں ہم جکڑ بند ہیں وہ بینک سسٹم ہے اور جب تک اِقتصادیاتِ عالَم کی باگ دوڑ آپ کے ہاتھ میں نہ ہو آپ بینک سسٹم ختم کر کے کوئی متبادل نظام قائم نہیں کر سکتے۔

سود کے متعلق قرآنِ حکیم کا فیصلہ دستورِ اَساسی کی ایک دفعہ ہے، مجلسِ شوریٰ اِس میں تبدیلی نہیں کر سکتی اَلبتہ متبادل صورتیں طے کرنا اور اُن کو نافذ کرنا اُس کا فرض ہوگا۔

مگر اَفسوس اِس وقت دُنیا میں مسلمانوں کی کوئی حکومت بھی اِس قابل نہیں کہ بین الاقوامی سیاست پر اَثر اَنداز ہو سکے اور اَفسوس یہ ہے کہ اُن کو اِس کا اِحساس بھی نہیں کہ حاملِ قرآن ہونے کی حیثیت سے اُن کا کیا فرض ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی .

۞ ۞ ۞

[1] رحمت کی چھتری